حفظ قرآن

ڈاکٹر اسماعیل سعد
کراچی یونیورسٹی شعبہ اسپیشل ایجوکیشن

حافظہ ذہنی کارروائیوں کا ایک اہم حصہ ہے اور علمی اور عملی دنیا میں اس کی کارکردگی ہر ایک کو متاثر کرتی ہے حافظے کے عمل کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ماہر نفسیات اب کمپیوٹر کی مثال کو استعمال کرنے لگے ہیں۔ یعنی یہ کہ جس طرح کمپیوٹر میں آپ معلومات کی شکل میں مواد کو داخل کرتے ہیں اور پھر کمپیوٹر کا پروگرام اپنا عمل شروع کرتا ہے اور داخل کیے ہوئے مواد کو بوقت ضرورت مختلف شکلوں میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اسی طرح حافظے کے عمل میں بھی ہم مواد کو اپنے ذہن میں قبول کرتے ہیں۔ ذہن اس کو اپنی کارروائیوں کا حصہ بنا کر انہیں اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے اور پھر بوقت ضرورت مختلف اشاروں کے تحت انہیں برآمد کر لیتا ہے۔ لیکن حافظے کے عمل کو سمجھنے کے لئے کمپیوٹر ایک سادہ سی مثال ہے دراصل یہ قدرتی کارروائی ہے اور اسی لئے کسی بھی میکانکی کارروائی کے مقابلے میں بہت کچھ دریافت طلب ہے اور ضروری ہے کہ حافظے کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں مسلسل تحقیقات کی جاتی رہیں۔

پاکستان کے سیاق وسباق میں اس قسم کی تحقیقات کی شاید بہترین جگہ وہ قرآنی مدارس ہیں جو ملک میں

جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور بچوں کو حفظ قرآن کی تربیت دینے کے لئے دن رات کوشاں ہیں ۔اس کے باوجود کہ حفظ قرآن کا عمل ہماری ایک دیرینہ روایت ہے یہ تعجب کی بات ہے کہ کبھی اس ضرورت کو محسوس نہیں کیا گیا کہ ان مدارس کے کام کو نفسیاتی ،تعلیمی اور تحقیقی انداز سے دیکھا جائے ، اس میں ترقی اور جدّت کے لئے گوشے تلاش کیے جائیں اور ایک اہم تعلیمی وتمدنی کارروائی کے طور پر اس کی تازگی اور شادابی کو برقرار رکھا جائے ۔

حفظ قرآن کے مدارس نے اپنے آپ کو ایک جامد اور کم خوشگوار کارروائی تک محدود کر رکھا ہے۔ اگر جمود کی اس کیفیت کا کوئی تاریخی جواز ہو بھی سکتا ہے تو اب جدید تیکنیکی ترقی کی بدولت وہ بڑی حد تک ختم ہوتا جارہا ہے ۔کلام پاک کو محفوظ رکھنے کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔اس کے مطابق یہ ممکن نہیں کہ کلام پاک کی حفاظت پر کوئی آنچ آسکے یا اس کے کسی بھی مبارک لفظ میں کسی قسم کی تحریف کی جاسکے ۔حفاظ نے کلام پاک کی حفاظت کے سلسلہ میں جو کردار ادا کیا وہ اپنی جگہ بہت اہم تھا اور رہے گا ۔اگرچہ طباعت ،ٹیپ ریکارڈ اور کمپیوٹر بھی اہم کردار ادا کر رہے ہیں لیکن حفظ قرآن اب بھی ہمارے لئے انتہائی سعادت ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کو ہمارے فرائض میں شامل رہنا چاہیے ۔لیکن یہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کارروائی کا نئے سرے سے جائزہ لیا جائے اور اس عمل کو جتنا زیادہ مؤثر اور خوشگوار بنایا جاسکے اس کی کوشش کی جائے ۔چنانچہ کہ تعلیمی ،نفسیاتی اور تحقیقی نقطہ نگاہ سے حفظ قرآن کے بارے میں خیالات کو واضح کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

نفسیاتی نقطہ نگاہ سے حفظ قرآن میں دو ذہنی کارروائیاں ایک دوسرے سے مرتبط ہیں اور صرف انہیں سمجھنے کے لئے ایک دوسرے سے الگ کیا جا سکتا ہے ۔حافظے کا عمل جو فی الوقت ہمارے موضوع کے لحاظ سے زیادہ اہم ہے ماہرین نفسیات کی تحقیق کا دلچسپ موضوع رہا ہے جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ اس عمل کی کمپیوٹر سے مثال دی جانے لگی ہے جس میں مواد کو داخل کیا جاتا ہے کمپیوٹر کے اندر اس کے اوپر مختلف کارروائیاں ہوتی ہیں اور پھر مطلوبہ صورت میں اسے برآمد کیا جاتا ہے ۔ایک دوسری مثال ایک مال خانے یا ایک گودام کی ہے جس میں سامان کو ترتیب کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے اور درجہ بندی کی جاتی ہے اور مطلوبہ صورت میں سامان تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔آپ ان میں سے کسی بھی مثال کو سامنے رکھئے ۔لیکن اب زیادہ تر رجحان محض معلومات یا مواد کو جمع کرنے کی طرف نہیں بلکہ اس پر ایسی کارروائی کرتے رہنے سے ہے کہ وہ ذہن میں ایک ربط اور ترتیب کے ساتھ اپنی جگہ بنالے اور پھر حسب ضرورت اس سے کام لیا جا سکے ۔حافظے کے تسلسل کو سمجھانے کے لئے مختصر مدت اور لمبی مدت کے حافظے کی اصلاحات استعمال کی جاتی ہیں اور اس بات کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مختصر دورانیئے کا حافظہ جو حقیقی معنوں میں زیادہ فعال ہوتا ہے ،کس طرح اپنے مواد کی ترسیل ،لمبی مدت کے حافظے کی طرف کرتا ہے اور پھر مواد کو برآمد کرنے میں کون سے نکات اور پہلو اہم اور توجہ طلب ہیں ۔

حفظ قرآن کا عمل مختصر دورانیئے کے اس حافظے سے منسلک ہے جو بالا رادہ اور کوشش وکاوش کے ساتھ ذہن میں محفوظ کیا جاتا ہے اور پھر اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسے لمبی مدت کے حافظے کی شکل میں محفوظ کر

لیا جائے بلاارادہ حافظے کے تذکرے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا حافظہ بھی ہوتا ہے جو خود بخود یا بلا کسی ارادے کے ہمارے ذہن میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے اور ہماری اپنی دلچسپی یا ضرورت ، یا پھر ہیجاتی شدت کی بناء پر ہماری توجہ کو اپنی جانب مبذول کر لیتا ہے اور حافظے میں ان تاثرات کا اندراج ہوتا جاتا ہے اس کے علاوہ باالارادہ حفظ کے عمل میں یا بار بار دوہرانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس تکرار کی بناء پر مواد ذہن میں محفوظ رہتا ہے ۔جو چیز زیادہ اہم ہوتی ہے وہ مواد کے اندراج کی ہوتی ہے یعنی یہ کہ مواد کو تقسیم کرتے وقت ہمارے کن حواس نے حصہ لیا اور ذہنی اور تجرباتی طور پر کون سے روابط وقت موجودہ پر شامل حال تھے ۔بالعموم اندراجی عمل میں بصارت بھی حصہ لے سکتی ہے اور سماعت بھی شاید زیادہ اہم یہ بات ہے کہ جو مواد ہم قبول کر رہے ہیں وہ ہمارے لئے کتنا بامعنی ہے اور ہمارے تجربات ، دلچسپی اور مقاصد سے کس قدر منسلک اور مربوط ہے اندراجی کارروائی جتنی بھرپور ہو گی اتنے ہی گہرے انداز میں ہم مواد قبول کریں گے اور اتنے ہی پائیدار انداز میں وہ حافظے میں اپنا مقام پیدا کرے گی۔

ایک دلچسپ تجربے کے دوران زیر تجربہ اشخاص کو تین حصوں میں بانٹ دیا گیا اور ان میں سے ایک کو عبارت میں بڑے اور چھوٹے حروف کی طرف توجہ دینے کی ہدایت کی گئی۔ دوسرے کو اس طرف دھیان دینے کو کہا گیا کہ کونسے الفاظ ہم وزن ہیں اور ہم قافیہ ہیں اور تیسرے کو الفاظ کے مفہوم و معنی کی طرف توجہ دلائی گئی ۔ان اشخاص کو پہلے سے کچھ نہیں بتایا گیا تھا البتہ بعد میں حافظے کے سلسلے مین ان کی آزمائش اور پیمائش کی گئی۔ ان تینوں افراد میں شناخت کی شرح کی پیمائش بالترتیب ۴۲،۶۵اور۹۰ فیصد تھی ۔

مطلب یہ ہوا کہ بامعنی مواد اپنے کو حافظے میں بہتر طور پر منظم کر لیتا ہے اور بہتر ترتیب کے ساتھ اپنے کو مربوط کر سکتا ہے اور اسی بناء پر زیادہ پائیدار طور پر اپنے کو قائم کر لیتا ہے ۔لیکن چھوٹے بچوں کے لئے کلام پاک کے حفظ کے عمل کو اس مفہوم میں بامعنی نہیں بنایا جا سکتا جس میں ذہن آنے والے تجربے کو گزشتہ تجربات کی روشنی میں پہچان لیتا ہے اور اسی طرح سے نئے اور پرانے مواد کو ایک دوسرے سے منسلک بلکہ پیوست کر لیتا ہے بچہ چونکہ عربی زبان سے ناواقف ہوتا ہے اس لئے حفظ کی جانے والی عبارت اس کے خیالات یا تصورات کے حوالے سے معنی نہیں رکھتی ایسی صورت میں بنیادی ضرورت تو اس بات کی ہوتی ہے کہ حفظ کئے جانے والے مواد کی بار بار تکرار کی جائے اور اس میں بصری مشاہدے اور زیر و بم دونوں کو استعمال کیا جائے اور تکرار کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ وہ مؤثر طور پر حفظ کے عمل میں مدد دے سکے ۔مثلاً اگر حفظ کیا جانے والا مواد ایک وحدت یا ٹکڑے کی شکل میں بچے کے سامنے پیش کیا جائے اور پھر وقفے وقفے سے تکرار کی جاتی رہے اور اس عمل کو جاری رکھنے کی ترغیب میں تسلسل ہو تو بچے کو حفظ کے عمل میں آسانی ہو گی ۔یہ ضرور ہے کہ مشق کا عمل محنت طلب بھی ہوتا ہے اور فہم کے بغیر بے مزہ ہونے کی بناء پر جبر کا مطالبہ بھی کرتا ہے ۔خارجی ترغیبات سے، یعنی بچے کا حوصلہ بڑھانے سے اور اپنی محنت کا انعام چاہے وہ تعریف و تحسین کی شکل میں ہو یا انعامات کی شکل میں ، بچے کے اندر آمادگی کو متحرک کرتا ہے ۔

بہرحال قرآن پاک کے حفظ کا عمل کیونکہ ساری زندگی پر محیط ہوتا ہے اس لئے اسکی پائیداری کے لئے اسے بامعنی تجربہ بنانا بھی ضروری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر میں اضافے اور ذہنی پختگی کے ساتھ عربی زبان و بیان اور کلام پاک کے خیالات وتصورات سے واقفیت بھی بہت ضروری ہے۔ حفظ قرآن کے موجودہ رائج طریقے میں نفسیاتی بصیرت بھی یقیناً شامل ہوگی۔لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اس عمل کو موجودہ نفسیات سے زیادہ قریب لایا جائے اور نئے تجربات کی روشنی میں اس کو ازسرنو تروتازہ کیا جائے۔حافظے کےعمل کے بارے میں جونئی تحقیقات کی گئی ہیں بالخصوص زبانی آموزش کی بابت تازہ معلومات سے حفظ کےعمل کی تدریس میں بہت کچھ اصلاح کی جاسکتی ہے اور ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

آیئے اب اس مسئلے پر تعلیمی نقطہ نظر سے نگاہ ڈالنے کی کوشش کریں ،نفسیات کا تعلق تو عمل تدریس سے ہے لیکن تعلیم ایک زیادہ جامع تصور ہے جس میں ہماری ضروریات اور قدریں ،چاہے وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی پورے طور پر شامل ہیں۔ حافظہ ایک ذہنی مہارت ہے اور اپنی اہمیت کے باوجود بجائے خود یہ ناکافی ہے اور بچے کی پوری تعلیم کی تلافی نہیں کرسکتا تعلیم کا کوئی بھی نسبتاً مکمل تصور آپ سامنے لانے کی کوشش کریں گے تو اس میں بچے کی پوری شخصیت کی پرداخت اورنشوونما کو نگاہ کے سامنے رکھنا ہوگا۔یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ بچے کی شخصیت کے کئی پہلو ہوتے ہیں اور اس کے باوجود کہ تعلیمی لحاظ سے ذہنی نشوونما زیادہ اہم نظر آتی ہے لیکن شخصیت کی تشکیل میں جسمانی، جذباتی ،سماجی پہلو بھی بھرپور اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔خود ذہنی نشوونما بھی ایک پیچیدہ اور متنوع عمل ہے اور حافظہ ان گوناگون کارروائیوں کا صرف ایک حصہ ہے اور یہاں بھی حفظ کے جس عمل سے ہمیں سروکار ہے وہ تکراری حافظہ ہے جو اپنی جگہ ایک عملی مہارت ہے۔یعنی یہ کہ باربار دہرانے سے ہم کسی چیز کو یاد رکھ سکتے ہیں یہ عمل اپنی جگہ اہم سہی لیکن یہ بچے کی تعلیم کا بھرپور احاطہ کبھی نہیں کرسکتا بچے کا نصابی پروگرام زیادہ جامع اور متنوع ہونا چاہیے موجودہ صورت حال کے جواز میں اگر کوئی بات کہی جاسکتی ہے تو وہ صرف یہ کہ حفظ کےعمل کے لئے یکسوئی اور توجہ کے ارتکاز کی ضرورت ہے اور حفظ کے دورانئے تک بچے پر مزید تعلیمی بوجھ مناسب نہیں لیکن یکسوئی اور توجہ بھی ایسے سادہ عمل نہیں ہیں جو دوسرے تعلیمی پروگراموں کو روک کر حاصل کیے جاسکتے ہوں۔صرف حافظے کےعمل کی حوصلہ افزائی کرنا اور باقی نشوونما پہلوؤں کو ٹھہرنے کی تلقین، کچھ ایسا ہی ہے جیسے کسی درخت کی تمام شاخوں کو چھانٹ کر صرف ایک شاخ کو بڑھنے کی اجازت دینا۔اس طرح اس کا تھوڑا بہت امکان ہے کہ شاخ اپنی بساط سے کچھ زیادہ بڑھ جائے لیکن اس کا مطلب یہی ہوگا کہ ہم پورے درخت کی خوبصورتی اور شادابی سے محروم ہوجائیں گے۔یہ ضرور ہے کہ بچے کا بقیہ تعلیمی پروگرام کچھ اس طور پر ترتیب دینا ہوگا کہ وہ اس کے حافظے کی مشق میں اس کی مدد کرے اور اس پر مثبت طریقے سے اثر انداز ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ بچے کو اس کی تعلیم سے محروم نہ کیا جائے اور اسے پورے طور پر پھیلنے اور پھولنے کا موقع دیا جائے۔

تعلیمی نگاہ سے اس پہلو پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے کہ حفظ کرنے والے بچے کا تعلیمی، معاشی اور معاشرتی مستقبل کیا ہوگا اور جو سعادت وہ حاصل کر رہا ہے اور اس کے عوض نشوونمائی قوت اور وقت کی جو قربانی بچہ دے رہا ہے اس کا دنیاوی صلہ اسے کیا حاصل ہوگا۔ یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ علمی تحصیل کا ایک معاشی پہلو بھی ہے جسے انسان کی شخصیت سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا تعلیم جہاں شخصیت کے دوسرے پہلوؤں کی نشوونما کا ذریعہ بنتی ہے وہاں وہ اسے خود کفالتی کی طرف بھی لے جاتی ہے تا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے اور معاشرے میں اپنے لئے ایک موزوں اور مناسب جگہ بنا سکے بظاہر حفظ کا عمل ایسا نہیں بلکہ یہ ایک علمی مہارت کی مشق کی ترغیب دیتا ہے۔دوسری طرف انسانی علم ہر مضمون میں تیزی سے پھیل رہا ہے بلکہ اس میں اتنی ہیجانی اور ہنگامی کیفیت ہے کہ اس کے اظہار کے لئے علمی دھماکے کی اصطلاح استعمال ہونے لگی ہے۔یہ صحیح ہے کہ علم کے اس پھیلاؤ کا احاطہ کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں لیکن تعلیمی منصوبہ بندی کچھ اس نوعیت کی ہونی چاہیے کہ طالب علم کو آگے چل کر تخصیص کا موقع بھی حاصل ہو اس کے ساتھ ساتھ علمی میدانوں میں اس کی ایک عمومی تربیت بھی ہو، تا کہ اسے یہ پتا ہو کہ علمی دنیا کی وسعتیں کس قدر پھیلی ہوئی ہیں اور اس پھیلاؤ کے باوجود اپنے اندر علمی ذوق کی ترویج کیسے کی جا سکتی ہے تخصیص تب بھلی لگتی ہے جب وہ عام تعلیم کی ایک وسیع بنیاد پر قائم ہو اور تخصیص کی بنا پر باقی علمی دنیا سے اس کا رابطہ ختم نہ ہو بلکہ کچھ اور مضبوطی کے ساتھ استوار ہو سکے۔آخر میں حفظ قرآن کے عمل پر تحقیقاتی نگاہ بھی ڈالنا مناسب ہوگا۔اس لئے عام خیال کے مطابق اس طریقہ تعلیم میں جو چیز شاید سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ اس کا انجماد ہے،یعنی یہ کہ اس طریقہ تعلیم نے اپنے لئے ایک روایتی ڈگر اختیار کر لی ہے کہ جس میں ردوبدل کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔محض یہی نہیں کہ تجرباتی طور پر اس میدان میں ہم آگے نہیں بڑھے ہیں بلکہ شاید اگر قدم ہٹاتے ہیں تو وہ بھی پیچھے کی طرف۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ صورت حال میں شاید چودھویں صدی عیسوی کے بعد سے کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔یہ وہ صدی ہے جب اسلامی دنیا کے بہت بڑے عالم یعنی علامہ ابن خلدون کی پیدائش ہوئی تھی۔ابن خلدون نے خود بھی تعلیم کا آغاز کلام پاک کے حفظ سے کیا اور اس کے بعد دوسرے علوم کی جانب توجہ دی اور آگے چل کر دوسری تصنیفات کے علاوہ تاریخ اسلام پر اپنی معرکۃ الآراء کتاب اور اس کے دیباچے کو ترتیب دیا جو علمی دنیا میں ''مقدمہ ابن خلدون'' کے نام سے معروف ہے ''مقدمے'' میں ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حفظ قرآن اور ابتدائی تعلیم کی صراحت اور مختلف زمانوں میں طریقہ تعلیم اور نصاب تعلیم مختلف رہے ہیں۔مغرب، یعنی الجیریا وغیرہ اسپین، تیونس، افریقی ممالک اور روم وبغداد میں ہر جگہ اپنے الگ الگ رواج رہے ہیں اور ضرورت ہے کہ نصاب کو معاشرتی اور موازناتی تناظر میں دیکھا جائے اور اس میں ردوبدل کیا جاتا رہے اسی طرح ابن خلدون نے یہ تلقین بھی کی کہ بچوں کو انتہائی نرمی اور شفقت کے ساتھ تدریس کی طرف راغب کیا جائے اور ان کی ذہنی استعداد اور آمادگی کو پورے طور پر مد نظر رکھا جائے تعلیم کو بچوں کے لئے ایک معنی خیز تجربہ ہونا چاہیے تا کہ ان میں ذہنی طور پر اپنے سہارے کھڑے ہونے کی

بناء استوار ہو سکے ۔چودھویں صدی میں اگر ہمارا کوئی عالم اتنی روشن خیالی سے مسائل کو دیکھ سکتا تھا تو آج کیوں ہم اپنی روایات یا عادات کو اپنے پاؤں کی زنجیر یا عادت بنائے ہوئے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ کلام پاک کی تدریس و حفظ کے معاملے میں بھی ایک تجرباتی نقطہ نگاہ کو اپنایا جائے اور ان مدارس کے دروازوں کو نفسیاتی ،نصابی اور تعلیمی تحقیقات کے لئے کھول دیا جائے تا کہ ہم اس وسیلے سے بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کر سکیں ۔

بچوں کے تناظر میں حفظ کے عمل سے منسلک کئی مسائل ہیں جو ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور تحقیقاتی کاوش کو دعوت کار دیتے ہیں ۔اس میں سب سے بڑا مسئلہ تو حفظ کا دیرینہ طریقہ ہے جو ابھی تک رائج ہے اور جس کے مطابق اس بات کو ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ اس مقصد کے لئے ابتدائی دو تین سال مختص کر دیئے جائیں اور اس دورانیئے میں کسی اور قسم کا نصابی یا تعلیمی پروگرام تدریسی کارروائی میں شامل نہ کیا جائے یہ طریقہ کار نفسیات کے اس روایتی تصور پر مبنی ہے کہ حافظے کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے جسم کا کوئی پٹھا ہوتا ہے کہ اس کو جتنی زیادہ مشق اور ورزش کا موقع بہم پہنچایا جائے وہ اتنا ہی مضبوط اور توانا ہوتا ہے اور دوسری آموزشی کارروائیوں پر بھی خوشگوار اثر ڈالتا ہے لیکن جدید نفسیات نے اب اس نظریے کو ترک کر دیا ہے اور اس بات کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی ہے کہ حافظے کی کارروائی کو جتنا زیادہ منظم بنایا جا سکے اچھا ہے ،حفظ کے رائج طریقہ کار میں حافظے سے قطع نظر توجہ کے ارتکاز اور یکسوئی کا مطالبہ بھی شامل ہے اور تحقیقاتی طور پر یہ بھی دریافت کرنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کہ موجودہ طریقہ کار کو کس حد تک قبول کرنا چاہیے اور کس قسم کی تبدیلیاں لانیکی ضرورت ہے اور اس ضمن میں بھی تجربات کرنے کی ضرورت ہے کہ تکراری حافظے کی حیثیت سے کس طرح حفظ کے عمل کو زیادہ کارگزار اور بچے کیلئے سہل اور قابل عمل بنایا جا سکتا ہے ۔ایک حافظ بچے کے لئے تعلیم کے حوالے سے سماجی اور معاشی مستقبل کی کیا نوعیت ہو گی اور کس طرح ان کو معاشرے میں ایک قابل فخر زندگی گزارنے کا موقع فراہم کیا جا سکتا ہے خود قرآنی مدارس کی کارکردگی اور اس سے متعلقہ تعلیمی انتظام اور مالی مسائل کو تحقیق کا موضوع بنایا جا سکتا ہے ۔انسانی زندگی میں مسائل حل تو ہوتے ہیں لیکن کم نہیں ہوتے ،اسی لئے تحقیق کی ضرورت اور دیگر سلسلے بھی برابر چلتے رہتے ہیں اصل بات تو ایک تجرباتی نگاہ کو اپنانے کی ہے تا کہ مسائل ایک جگہ ٹھہر نہ جائیں اور خوشگوار اور مثبت تبدیلیوں کا سلسلہ برابر چلتا رہے ۔

☆☆☆☆☆